شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

اپریل 2026ء / شوال المکرم ۱۴۴۷ھ

جلد نمبر 18، شمارہ نمبر 3 قیمت: 40 روپے • سالانہ ممبرشپ: 450 روپے

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن (سرپرست)

مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (صدر)

مولانا مفتی محمد مختار حسن (صدر انتظامیہ)

انیس احمد سجاد ایڈووکیٹ (مدیر)

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

(اساتذہ کو رہنمائی دیتے ہوئے فرمایا کہ:) ''اگر ہر بچے کو سبق پڑھاتے وقت (رضائے الٰہی کی) نیت کو تازہ کیا جائے اور (دل کی) غفلت کو دور کر کے پڑھایا جائے تو یہ بہت نفع بخش عبادت ہے۔ ہمارے ہاں (سلوک و احسان کی تربیت میں) ذکر زیادہ (یعنی غیر معمولی تعداد میں) نہیں کرایا جاتا، بلکہ (اس اصول کو بنیادی حیثیت دی جاتی ہے کہ) ہر کام کو (اس) نیت کے ساتھ کہ (رضائے الٰہی سے) غفلت سے نہ ہو، سرانجام دینا ہی عبادت ہے۔ اور ذکر بھی جو کرایا (یعنی تجویز) جاتا ہے تو اس کی غرض بھی (اس) غفلت کو دور کرنا ہے، تاکہ تمام کام (رضائے الٰہی کی) نیت کے ساتھ ہو جائیں۔ بشرطیکہ وہ کام حرام اور مکروہ نہ ہوں۔ مباح (جائز کام) سے لے کر اوپر تک (یعنی مستحب اور واجب درجہ کے) جو کام ہیں، سب کو (رضائے الٰہی کے شعور و) بیداری سے کرنا بڑا اعلیٰ ذکر اور یہی تصوف (کا مقصود) ہے۔ یہ بات (یعنی قلبی بیداری) خواہ دس گھنٹے میں حاصل ہو، دس دن میں حاصل ہو، دس ماہ میں حاصل ہو یا دس سال میں، اس کو ''اِخلاص'' (بھی) کہتے ہیں۔ اور اسی کے لیے (حدیث نبوی ﷺ میں) آیا ہے کہ (اپنے اعمال میں) ''درجہ احسان حاصل کرو''۔

(۱۰ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ/5 دسمبر 1946ء، بروز: جمعرات۔ مقام: لاہور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 244-245، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

بانی

حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ السَّعِید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ

حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد** رائے پوری

جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

ترتیبِ مضامین

- تہذیبِ اَخلاق کے بنیادی اُمور
- دینی نظریۂ حیات
- حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہٗ
- امریکی صیہونی ریاستی دہشت گردی، ایرانی سپریم لیڈر کی شہادت اور سنگین عالمی بحران
- ''قلب'' سے متعلق ''احوال'' (1)
- فاتح کا مفتوحین کے ساتھ حسنِ سلوک
- نظامِ زر کی تباہ کاریاں
- سلامتی کے نظام کا فہم و شعور
- سوسائٹی کے علمی و عملی حقائق پر مشتمل نظام کا قیام
- اگلی نسلوں کی تعلیم و تربیت کا نظام
- سلامتی کا سیاسی نظم و نسق اور مالیاتی ڈسپلن کا شعوری فہم
- حضرت مولانا غلام مجدد سرہندیؒ
- تقریبِ رونمائی دو عدد کتب؛ رحیمیہ مطبوعات، لاہور
- دینی مسائل

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

تہذیبِ اَخلاق کے بنیادی اُمور

گزشتہ آیت (2-البقرہ:151) میں بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد اِنسانوں کے اَخلاق مہذب بنانا اور اُن کا تزکیہ کرنا ہے۔ پھر آیت 152 میں انسانیت کے اَخلاق کی تہذیب کے لیے دو بنیادی عملی اُمور: (1) ''ذکر اللہ'' (2) اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ''شکر'' بیان کیا گیا۔ ذکرِ الٰہی سے انسانی معاشرے کے اُمور سے متعلق بصیرتِ اجتماعی اور شعور و آگہی پیدا ہوتی ہے اور اس بصیرت کے ذریعے سے اللہ کی نعمتوں کو صحیح استعمال کر کے اس کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔

درجِ ذیل آیات (2-البقرہ: 153 تا 157) میں انسانی دلوں کے تزکیے اور تہذیبِ اَخلاق سے متعلق چند مزید عملی اُمور بیان کیے جا رہے ہیں، تاکہ مہذب ہو کر انسان میں عقلی طور پر یقین کی پختگی اور قلبی طور پر استقامت اور نفسی کیفیات میں جماؤ کی حالت پیدا ہو جائے اور آہستہ آہستہ یہ تینوں ''احوال'' اُس کے ''مقام'' بن جائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (اے مسلمانو! مدد لو صبر اور نماز سے، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے): تہذیبِ اَخلاق کا تیسرا اہم عملی کام ''صبر'' ہے۔ انسانی تہذیب و ترقی کے لیے ضروری ہے کہ جب اُسے مشکلات درپیش ہوں تو ان حالات میں پختگی اور استقامت کے ساتھ ''صبر'' بڑا بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ الصَّبْر: ''صبر'' کا معنی ہوتا ہے: ایک بات پر رُک جانا اور جماؤ اختیار کرنا، یعنی: ذکر و شکر سے پیدا ہونے والی اجتماعی بصیرت اور شعور کو پوری استقامت کے ساتھ قائم رکھنا۔ مفسرین نے ''صبر'' کی تین اقسام بیان کی ہیں:

1۔ الصَّبر علی الطّاعات (نیکیوں پر جماؤ اختیار کرنا): اللہ کے دیے ہوئے احکام کی اطاعت پر جماؤ اختیار کرنا اور احکامِ الٰہی سے کسی صورت انحراف نہ کرنا۔

2۔ الصَّبر عن المَعاصی (گناہوں سے رُک جانا): انسان جب گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے رُک جاتا ہے اور اللہ کے ذکر اور شکر میں مشغول رہتا ہے تو اس میں انسانی اجتماعیت سے متعلق بصیرتِ قلبی اور شعور مسلسل بڑھتا چلا جاتا ہے۔

3۔ الصَّبر علی المصائب (مصائب اور مشکلات کو برداشت کرنا): یعنی: اللہ کے احکامات کو غالب کرنے کے راستے میں جتنی بھی مصیبتیں اور مشقتیں پیش آئیں، انھیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے جھیلنا اور استقامت اختیار کرنا۔

اس طرح صبر وہ بنیادی خُلق ہے، جو انسان کے نفس، قلب اور عقل کو مہذب بناتا ہے۔ انسان اس کو اختیار کر کے اپنے انفرادی اور اجتماعی اَخلاق کا تزکیہ کر لیتا ہے۔

الصَّلٰوۃ: تہذیبِ نفس کے لیے چوتھا خُلق نماز کی ادائیگی ہے۔ اس کے ذریعے ''اِخبات اِلی اللّٰہ'' (اللہ کی طرف رُجوع) کیا جاتا ہے۔ اپنے اعمال و افکار میں ذکر اللہ کی پختگی کے لیے نماز سے مدد لی جاتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: ''نماز ایک ایسی عبادت ہے، جو اللہ کی عظمت کی طرف متوجہ کرنے والے غور و فکر، اللہ کے سامنے پُر خلوص دعائیں اور اللہ کی عظمت پر مبنی افعال؛ رکوع و سجود وغیرہ کا ''معجونِ مرکب'' اور مجموعہ ہے۔ اس طرح نماز عام لوگوں کے لیے انتہائی نفع بخش اور تریاق کی طرح اِکسیر اور انسانی روح پر بہت جلد اثر کرنے والی ہوتی ہے''۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (اور نہ کہو اُن کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مُردے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم کو خبر نہیں): تہذیبِ اَخلاق میں پانچواں خُلق 'اللہ کے راستے میں اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ ہے۔ انسان جب اللہ کے ساتھ تعلق قائم کر کے اُس کے احکامات کو غالب کرنے کی جدوجہد کرتا ہے، اقترابات اور ارتفاقات میں اللہ کی تعلیمات کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ کی رضا کے لیے اُس کی راہ میں انسانیت کی مخالف جماعت کے ساتھ جہاد کرتا ہے تو ایسی صورت میں بسا اوقات اُسے موت قبول کرنا پڑتی ہے۔ اس طرح وہ شہادت کی راہ پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں جو آدمی اللہ کے احکامات کے غلبے کے لیے شہید ہوا، وہ مُردہ نہیں، بلکہ زندہ ہے۔ اُس نے انسانیت کی بقا کے لیے اپنی جان دے کر گویا بہت سے مظلوم انسانوں کی زندگی بچائی۔ ایسے ''شہید'' کی موت، دیگر مرنے والوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ وہ ایسی زندگی کی حالت میں ہے کہ عام انسان اُس کا شعور نہیں رکھتے۔ جب اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اُس کے ''ذکر'' و ''شکر'' اور ''صبر'' اور ''نماز'' میں مشغول رہنے سے حظیرۃ القدس کے ساتھ اُس کا قلبی تعلق ہو گیا تو دراصل اُس کو ایک نئی زندگی اور حیاتِ اُخروی حاصل ہو گئی، اس لیے اُسے مردہ نہ کہا جائے، بلکہ وہی زندگی کی علامت اور انسانیت کی کامیابی کی ضمانت ہے کہ اُس نے انسانوں کو ظلم سے بچانے کے لیے موت قبول کی ہے۔ وہ انسانیت کے بچاؤ کے لیے جدوجہد کرنے والا اعلیٰ درجے کا انسان ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے، اور تھوڑی سی بھوک سے، اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے، اور خوش خبری دے ان صبر کرنے والوں کو): تہذیبِ اَخلاق میں چھٹا خُلق' اللہ کی طرف سے آنے والی آزمائش پر صبر و استقامت اختیار کرنا ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ راستے پر چلنے والوں کے لیے دو طرح کی آزمائشیں پیش آ سکتی ہیں: پہلی دُنیا میں رہتے ہوئے موت ہے، جو ''شہادت'' ہے کہ دُنیا میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا۔ اس میں مبتلا صبر و استقامت اختیار کرنے والے افراد کے لیے تو گزشتہ آیت میں قرآن نے قانون بیان کیا ہے کہ وہ مُردہ نہیں، بلکہ زندہ ہیں۔ مشکلات کی دوسری قسم وہ ہے، جو چھوٹی چھوٹی مصیبتیں ہیں، لیکن مسلسل اور متواتر آنے کی وجہ سے انسان کے لیے تکلیف دہ اور آزمائش کا سبب بن جاتی ہیں۔ اُن میں دو مصیبتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں انسان اپنی اجتماعیت اور ریاست کی تشکیل میں صحیح طور پر کام نہیں کر سکتا:

اَلْخَوْف: پہلی اہم ترین ممکنہ مصیبت باہر سے دشمن قوت کا خوف اور ڈر ہے۔ خوف کا تعلق کسی فرد، قوم، ملک کے خارجی حالات سے ہوتا ہے۔ کسی قوم اور ملک کے لوگوں میں دشمن ملک اور قوم کی طرف سے حملے کا خوف، اُن کی سیاسی حیثیت متاثر کرتا ہے۔ خوف زدہ ریاستیں اجتماعی ترقی نہیں کرسکتیں۔ یہ مصیبت گوموت سے کم ہے، لیکن مسلسل خوف کی نفسیات، انسان کے آگے بڑھنے اور ترقی کے جذبے کو مجروح کرتی ہے، اس لیے بہ تدریج اجتماعی اور سیاسی موت کا باعث بن جاتی ہے۔ صبر واستقامت کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ انسان ہر قسم کے خوف سے بالاتر ہوکر اللہ کے احکامات کو غالب کرنے کے لیے ہمہ وقت کردار ادا کرتا رہے۔ آزمائش کی اس گھڑی میں اللہ کی طرف رُجوع کرتے ہوئے صبر واستقامت سے کام لیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں۔

اَلْجُوْع (بھوک): اس کا تعلق انسان کی زندگی میں اشیائے ضروریہ کی قِلّت سے ہوتا ہے۔ معاشی بھوک وافلاس ایک بڑی مصیبت بن کر انسانیت پر طاری ہوتی ہے۔ اس کے سبب سے فرد، قوم اور ملک داخلی طور پر معاشی حوالے سے کمزور ہوجاتا ہے۔ ایسے موقع پر بھی احکاماتِ الٰہیہ پر صبر واستقامت اختیار کرنے اور مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ صبر واستقامت اور محنت سے ہی معاشی مشکلات دور ہوتی ہیں۔

نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ: کسی قوم کی ترقی کی بنیاد تین چیزیں ہوتی ہیں: (1) مالی اثاثہ جات اور مال کی کثرت، جس سے معیشت مضبوط ہوتی ہے۔ (2) انسانی افراد کی کثرت، جس سے سیاست مضبوط ہوتی ہے۔ (3) پیداوار کی کثرت جس سے اجتماع مسلسل ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ جب کسی قوم میں ان تینوں چیزوں میں کمی ہونے لگے؛ افراد کی قلت ہوجائے، اثاثہ جات اور اموال میں نقصان ہو اور پیداواری صلاحیت میں کمی آجائے تو یہ اُس قوم کے لیے ایک بڑی مصیبت ہوتی ہے۔ جب کسی قوم کو اس طرح کی آزمائش پیش آئے اور وہ ذکر وشکر، صبر و استقامت اور تعلق مع اللہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں، تبھی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ: جو قوم خود انحصاری کی اَساس پر صبر واستقامت کے ساتھ مسلسل آگے بڑھتی ہے اور کامیابی کی منازل طے کرتی ہے، ایسے صابر لوگوں کو بڑی خوش خبری سنا دیجیے۔ اس لیے کہ انھوں نے پورے جماؤ کے ساتھ ایسا راستہ اختیار کیا، جس سے وہ خارجی طاقتوں کے خوف سے آزاد ہوجائیں، داخلی بھوک وافلاس کے ذلت سے نجات پالیں اور ملکی پیداواری ترقیات کے ساتھ مجموعی طور پر فلاحِ انسانیت کے لیے کامیاب ہوجائیں تو ایسے ہی لوگوں کے لیے بڑی خوش خبری ہے۔

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ: (کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں: ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اُسی کی طرف لَوٹ کر جانے والے ہیں): تہذیبِ اَخلاق میں ساتواں خُلق، مصیبتوں میں اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ یہ صبر واستقامت اختیار کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب انھیں اس طرح کی مصیبتیں آتی ہیں تو یہ اُنھیں ترقی کی عملی قوت سے نہیں روکتیں۔ وہ مصیبتوں سے خوف زدہ ہوکر کام کرنے سے رُک نہیں جاتے، بلکہ وہ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم اور ہماری تمام چیزیں اللہ ہی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔ اس لیے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بھوک کی تکلیف کو اپنے اوپر مسلط کرکے کام کاج سے ہاتھ کھینچ لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ اور پیداوار اور مال ودولت کی کمی سے مفلوج ہوکر بیٹھتے نہیں، بلکہ پورے حوصلے اور صبر واستقامت سے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر اور اُن کا صحیح استعمال کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی، اور وہی ہیں سیدھی راہ پر): تربیت اور تزکیہ کے ان سات بنیادی عملی اُمور؛ 1۔ ذکر، 2۔ شکر، 3۔ صبر، 4۔ نماز کی پابندی، 5۔ راہِ خدا میں جان کی قربانی، 6۔ آزمائشوں پر صبر اور 7۔ مصیبتوں میں اللہ کی طرف رُجوع کرنے سے اللہ کی عنایات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ یہ لوگ ان اَخلاق سے تہذیب یافتہ ہونے اور ان اُمور کے مطابق عمل کرنے والے لوگ ہی کامیاب ہیں۔ خاص طور پر صبر واستقامت سے تمام مسائل اور مشکلات کا مقابلہ کرنے والوں پر اللہ کی رحمت شاملِ حال ہوتی ہے۔ ''رَحْمَةٌ'': یہ رحمتِ عامہ ہے، جو تمام مخلوقات پر ہمہ وقت جاری رہتی ہے۔ اسی رحمتِ الٰہی کے نتیجے میں کائنات کی مخلوقات دنیا میں قائم ہیں۔ اور وہ رحمت جو صرف انسانوں کے لیے مخصوص ہے، اُسے ''الصّلاۃ'' کہتے ہیں، جس کی جمع ''صلوات'' ہے۔ یہ وہ خاص رحمت ہے، جو انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جوڑتی ہے اور مؤمن کا تجلّیٔ اعظم سے رابطہ قائم ہوجاتا ہے۔

یہ لفظ ''الصّلاۃ'' یا تو مشتق ہے اتصال سے، یعنی: اللہ کی یہ خاص رحمت جب کسی بندے سے متصل ہوجاتی ہے تو رحمتِ الٰہی کا مقناطیسی نظام انسانی روحوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یوں اللہ کی خاص رحمت اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اور یا یہ لفظ ''صَلِی النَّار'' (آگ میں جلنا) سے ماخوذ ہے۔ جب آگ ایندھن کو کھا لیتی ہے، اُس کا ظاہری جسم فنا ہوجاتا ہے اور وہ ایک نئی صورت؛ راکھ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ اسی طرح جب سالک ذکر، شکر، صبر اور نماز وغیرہ پوری توجہ اور اہتمام کے ساتھ کرتا ہے تو تجلّیٔ اعظم کی آگ، انسان کے جسم سے تمام نفسانی خواہشات، عقلی مکر وفریب اور قلبی زیغ وضلال کو جلا کر راکھ کردیتی ہے۔ اس طرح اُس کی روح اُس مقام پر پہنچ جاتی ہے، جسے صوفیا کی زبان میں ''فنا'' کہا جاتا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے اُس پر رحمتوں کی بارش نازل ہوتی ہے۔ یہی وہ ہدایت کا راستہ ہے، جس سے انسانیت کے اَخلاق مہذب ہوتے ہیں، روحانی اور جسمانی طور پر تزکیہ حاصل کرکے وہ نبی اکرم ﷺ کے رسالت کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔ رسول ﷺ کے لائے ہوئے احکامات؛ تلاوتِ قرآن حکیم، تعلیم کتاب، تزکیہ نفوس اور پُراز حکمت پیغامِ الٰہی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ گویا جن لوگوں نے اللہ کی طرف جانے اور انسانیت کی خدمت کے راستے کو اختیار کرکے ہدایت کے سیدھے اور سچے راستے کی اتباع کی ہے، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

دینی نظریۂ حیات

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:

”أَرْبَعٌ إِذَا كُنَّ فِيْكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْيَا: حِفْظُ أَمَانَةٍ، وَصِدْقُ حَدِيْثٍ، وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ، وَعِفَّةٌ فِي طُعْمَةٍ“. (مسند احمد:6652)

(حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تیرے اندر چار صفتیں موجود ہیں تو پھر دنیا چھوڑتے وقت تجھے کوئی ڈر اور خوف نہ ہوگا: (۱) امانت کی نگہبانی (۲) بات کی سچائی (۳) اچھے اَخلاق (۴) کھانے میں احتیاط“۔)

نظامِ فکر و عمل دو ہیں، ایک محض مادی نقطۂ نگاہ اور دوسرا دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی کا۔ مادی نقطۂ نگاہ میں انسان کی صرف جسمانی اور نفسانی خواہشات کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اُخروی کامیابی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس دینی نقطۂ نگاہ میں دنیاوی کامیابی اور اُخروی فلاح دونوں جگہ پاتی ہیں۔ دنیاوی زندگی میں طرزِ معاشرت اخلاقیات پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے داعی انبیا علیہم السلام اور ان کے متبعین ہوتے ہیں۔

پہلے نقطۂ نگاہ پر آج بھی ایک بہت بڑی دنیا قائم ہے، جس نے دُنیاوی لحاظ سے بہت سی کامیابیاں حاصل کی ہیں باور کرایا جاتا ہے کہ انسان کی اصل کامیابی یہی ہے اور دُنیوی کامیابی کے لیے دین سے چھٹکارا ضروری ہے، لیکن اس نظریے کے کئی مفاسد ہیں۔ خونی رشتوں کو مادی فوائد کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ قومی اور بین الاقوامی سماجی تعلقات، مفادات اور نسلیت کی بنیاد پر قائم کیے جاتے ہیں، دل کا سکون چلا جاتا ہے۔ آج مغرب نسل پرستی کا قائل ہے۔ وہ باقی دنیا کو بنیادی انسانی حقوق بھی نہیں دیتا۔ اس سے انسانی اَلمیے جنم لے رہے ہیں۔ اس کے برعکس جب دُنیاوی کامیابی کے ساتھ اخلاقیات اور خدا کے حضور حاضری کے احساس کو انسانی معاشرے کی بنیاد بنایا جاتا ہے تو رشتوں کا احترام اور اجتماعیت قائم ہوتی ہے۔ اس سے دنیا نے ہمیشہ سکون پایا ہے، جذبہ ایثار و قربانی کے مظاہر سامنے آئے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے دینی معاشرت کے لیے چار بنیادیں مقرر کی ہیں۔ ان میں سے پہلی امانت کی حفاظت کرنا، یہ امانت چاہے کوئی چیز ہو، جائیداد ہو، عہدہ منصب ہو، اجتماعی یا کسی کا ذاتی راز ہو، کسی کی عزت و ناموس کی حفاظت کا معاملہ ہو۔

دوسری بنیاد؛ سچائی یعنی حقیقت کو ماننا، اس کو بیان کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ وہ چاہے آپ کی ذات یا آپ کے اقربا سے متعلق ہو یا قومی زندگی میں سچ کو اختیار کرنا ہو، اس راہ میں انسان اپنی ذات اور مفاد کے خلاف آنے والی مشکلات کو برداشت کرے۔

تیسری بنیاد؛ اچھے اَخلاق یعنی اپنے ماں باپ، بیوی بچوں، خاندان، ہمسایوں اور انسانوں کے ساتھ میل برتاؤ انصاف، بلکہ جذبہ ایثار و قربانی کے ساتھ ہو۔

اور چوتھی بنیاد یہ کہ انسان کی روحانی بالیدگی کے لیے کھانا پینا پاکیزہ اور حلال کا ہو۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ یمامہ کے بااثر، رئیس اور قبیلہ بنو حنیفہ کے مقتدر سردار، تاجر، شاعر اور خطیب تھے۔ آپؓ کے قبولِ اسلام کا قصہ نبویؐ حکمت، سماجی برتری اور معاشی تدبر کا حسین امتزاج ہے۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل جب نبی کریم ﷺ نے نجد کی جانب ایک دستہ بھیجا تو وہ واپسی پر مشکوک سمجھتے ہوئے ثمامہ کو گرفتار کرلائے اور مسجد نبویؐ کے ستون سے باندھ دیا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو پہچان کروائی کہ: ”یہ یمامہ کے سردار ہیں اور حکم دیا کہ جو میسر ہو، انھیں کھانے کو دیا جائے اور صبح شام میری اپنی اونٹنی کا دودھ پیش کیا جائے“۔ تین دن تک ثمامہ مسجد میں مقید رہے اور حضور ﷺ نمازوں کے اوقات میں ان سے حال احوال پوچھتے رہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں، مگر ثمامہ نے اپنی غیرتِ سرداری برقرار رکھتے ہوئے کہا کہ: ”اگر آپ قتل کریں گے تو خون کا بدلہ ہوگا اور اگر احسان کریں گے تو میں نیکی کا بدلہ کسی صورت نہیں رہنے دوں گا“۔

تیسرے دن جب آپ ﷺ نے انھیں غیر مشروط رہا کر دیا تو مسجد نبویؐ کے پُرتاثیر ماحول، نبویؐ شفقت، ہمدردی اور حسنِ سلوک نے ان کے دل پر گہرا اثر کیا۔ رہا ہوتے ہی وہ قریب کے نخلستان گئے، غسل کیا اور واپس مسجد آ کر کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ انھوں نے اعتراف کیا کہ: ”پہلے میں دینِ اسلام، نبی کریم ﷺ اور مدینہ کو ناپسند کرتا تھا، مگر اب یہ دین اور یہ ماحول مجھے دنیا میں سب سے محبوب لگتا ہے“۔ اسلام لانے کے بعد حضرت ثمامہؓ نے عمرہ کی اجازت چاہی، جس پر آپ ﷺ نے انھیں حرمین کے مناسک اور ملتِ ابراہیمی کے آداب سکھا کر رُخصت کیا، تاکہ یہ سفر آپؓ کی روحانی ترقی اور اپنی قوم میں دعوت کا ذریعہ بنے۔

حضرت ثمامہؓ کا مکہ پہنچنا اور آپؓ کے قبولِ اسلام کی خبر، قریش کے لیے ایک بڑا معاشی دھچکا ثابت ہوا۔ آپؓ نے مکہ والوں سے دوٹوک کہا کہ: ”خدا کی قسم! جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں، یمامہ سے غلے کا ایک دانہ بھی تمھارے پاس نہیں پہنچے گا“۔ چوں کہ یمامہ مکہ کی معیشت کی وسعت کا بڑا ذریعہ تھا، اس اقدام نے کفارِ مکہ کی سیاست اور معیشت کو مفلوج کر دیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوگئے۔ بہ قول حضرت ابنِ عباسؓ: ”قرآن حکیم کی ”سورۃ المؤمنون“ میں جس قحط اور عذاب کا ذکر ہے، وہ اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے“۔ یہ ایک عملی طریقۂ کار تھا، جس سے دشمن کی قوت کو کمزور کیا گیا اور ثابت ہوا کہ ہر قبیلہ معاشی طور پر ایک بڑا سورس رکھتا ہے، جسے عظیم اجتماعی سیاسی مقاصد کے لیے قومی حکمتِ عملی سے جوڑا جاسکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد جب مدینہ کی ریاست کا اجتماعی اور قومی نظام بغاوت و اِرتداد کے فتنے سے متاثر ہوا اور مسیلمہ کذاب جیسے مفاد پرست لیڈروں نے سر اُٹھایا تو حضرت ثمامہ بن اثالؓ اسلام کے اجتماعی نظام، خلافتِ راشدہ کے قائم بندوبست پر ثابت قدم رہے۔ (بقیہ: صفحہ 11 پر)

امریکی صیہونی ریاستی دہشت گردی،
ایرانی سپریم لیڈر کی شہادت اور سنگین عالمی بحران

امریکا اور اسرائیلی صیہونی ٹولے کی جانب سے ایران پر کیا جانے والا حملہ، جس کے نتیجے میں ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای کی شہادت واقع ہوئی، عالمی سیاست کا ایک نہایت سنگین اور ہولناک واقعہ ہے۔ یہ محض ایک عسکری کارروائی نہیں، بلکہ ایک خودمختار ریاست کی حاکمیت، وقار اور سیاسی استقلال پر کھلا حملہ ہے۔ دنیا کی ہر خوددار قوم اس اقدام کی نہایت واضح، غیر مبہم اور دوٹوک الفاظ میں شدید مذمت کر رہی ہے۔ یہ جارحیت بین الاقوامی قانون، اقوامِ عالم کے تسلیم شدہ اُصولوں اور انسانی اقدار کی صریح خلاف ورزی ہے۔

امریکا اور اسرائیل کا یہ اقدام کسی وقتی اشتعال یا دفاعی ضرورت کا نتیجہ نہیں، بلکہ ایک منظم سامراجی حکمتِ عملی کا تسلسل ہے۔ صیہونی فکر اور امریکی بالادستی کی سیاست نے گزشتہ کئی دہائیوں سے مشرقِ وسطیٰ کو مستقل عدمِ استحکام سے دوچار رکھا ہے۔ جب بھی خطے میں کوئی ریاست آزادانہ اور خودمختار پالیسی اپنانے کی کوشش کرتی ہے، اسے دباؤ، پابندیوں اور آخرکار عسکری طاقت کے ذریعے جھکانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایران کے خلاف حالیہ حملہ بھی اسی پالیسی کی عکاسی کرتا ہے۔

گزشتہ دو دہائیوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو تصویر مزید واضح ہو جاتی ہے۔ افغانستان کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر تباہی اور عدمِ استحکام کی نذر کر دیا گیا۔ عراق میں تباہ کن ہتھیاروں کا بے بنیاد الزام لگا کر ریاستی ڈھانچہ مسمار کیا گیا۔ لیبیا کو جمہوریت کے نام پر خانہ جنگی کے سپرد کر دیا گیا۔ شام برسوں تک پراکسی جنگوں کی تجربہ گاہ بنا رہا، جب کہ یمن انسانی بحران کی بدترین مثال بن چکا ہے۔ لبنان مسلسل سیاسی دباؤ اور عدمِ استحکام کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ ہر جگہ ایک ہی خاکہ دکھائی دیتا ہے: پہلے الزام تراشی، پھر سفارتی تنہائی، اس کے بعد معاشی پابندیاں اور آخر میں براہِ راست یا بالواسطہ عسکری مداخلت۔

یہ سب کچھ محض سیاسی اختلافات کا نتیجہ نہیں، بلکہ ایک بڑے عالمی سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی معیشت جنگوں سے ہی چلتی ہے۔ اسلحہ ساز کمپنیاں اربوں ڈالر کماتی ہیں، نجی دفاعی ٹھیکے دار منافع سمیٹتے ہیں، تیل و گیس کی کارپوریشنز نئے معاہدے حاصل کرتی ہیں اور عالمی مالیاتی ادارے تباہ حال ممالک کو قرضوں کے جال میں جکڑ لیتے ہیں۔ جنگ صرف میدانِ کارزار میں نہیں لڑی جاتی، بلکہ عالمی مالیاتی منڈیوں اور کارپوریٹ بورڈ رومز میں بھی اس کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ جب کوئی ملک کمزور ہوتا ہے تو اس کے وسائل، عالمی منڈی کے لیے زیادہ قابلِ رسائی ہو جاتے ہیں۔ اس پسِ منظر میں ایران پر حملہ ایک جغرافیائی یا عسکری اقدام سے بڑھ کر معاشی مفادات کا معاملہ دکھائی دیتا ہے۔

امریکا اور اسرائیلی صیہونی ٹولے کی یہ جارحیت دراصل پورے خطے کو ایک وسیع تر تصادم کی طرف دھکیل سکتی ہے۔ خلیجی ممالک میں موجود غیر ملکی فوجی اڈے، تزویراتی بحری راستے اور توانائی کے ذخائر اس تنازعے کو عالمی بحران میں بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر کشیدگی میں اضافہ ہوا تو تیل کی قیمتوں میں شدید اُتار چڑھاؤ، عالمی تجارت میں تعطل اور مالیاتی منڈیوں میں بے یقینی پوری دنیا کو متاثر کرے گی۔ اس طرح ایک علاقائی جنگ عالمی معیشت کو ہلا کر رکھ سکتی ہے۔

اس نازک موقع پر اقوامِ متحدہ کا کردار انتہائی اہم تھا، مگر بدقسمتی سے اس کی خاموشی اور بے عملی، مایوس کن ثابت ہوئی۔ اگر ایک بڑی طاقت کھلے عام کسی ریاست کی قیادت کو نشانہ بنائے اور عالمی ادارے مؤثر کارروائی سے قاصر رہیں تو عالمی قوانین کی بالادستی کا دعویٰ کھوکھلا محسوس ہوتا ہے۔ اقوامِ متحدہ کی موجودہ بے بسی اس حقیقت کو اُجاگر کرتی ہے کہ عالمی نظام میں طاقت کا توازن، انصاف کے بجائے مفاد کی بنیاد پر قائم ہے۔

مسلم دنیا کے لیے یہ لمحہ ایک کڑا اِمتحان ہے۔ داخلی اختلافات، مسلکی تقسیم اور سیاسی رقابتوں نے اُمت کو کمزور کر رکھا ہے۔ اگر ایک بڑے اسلامی ملک کی قیادت کو نشانہ بنایا جائے اور مسلم ممالک مشترکہ اور واضح مؤقف اختیار نہ کر سکیں تو یہ ہماری اجتماعی کمزوری کا مظہر ہوگا۔ وقت کا تقاضا ہے کہ مسلم ممالک سفارتی سطح پر متحد ہوں، مشترکہ لائحۂ عمل ترتیب دیں اور عالمی سطح پر اپنی آواز مؤثر انداز میں بلند کریں۔ محض رسمی بیانات اور وقتی مذمت کافی نہیں؛ عملی اور منظم حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔

طاقت کے بل پر کسی ریاست کی قیادت کو نشانہ بنانا، ریاستی دہشت گردی کے مترادف ہے۔ اس طرزِ عمل کو اگر روکا نہ گیا تو عالمی سطح پر طاقت کے استعمال کا ایک خطرناک رُجحان پروان چڑھے گا، جہاں ہر طاقت ور ملک اپنے مفادات کے لیے کمزور ریاستوں کو نشانہ بنانے کا جواز تراش لے گا۔

اس بنیادی حقیقت کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ امن محض طاقت کے توازن سے قائم نہیں ہوتا، بلکہ انصاف، برابری اور بین الاقوامی قوانین کی حقیقی پاسداری سے قائم ہوتا ہے۔ اگر عالمی سرمایہ دارانہ نظام، جنگ کو منافع کا ذریعہ بنائے رکھے گا تو دنیا کبھی پائیدار امن حاصل نہیں کر سکے گی۔ ایران پر یہ حملہ عالمی ضمیر کے لیے ایک فیصلہ کن لمحہ ہے۔ یا تو دنیا طاقت کی اندھی سیاست کو مسترد کرے گی اور انصاف کے اصولوں کو زندہ کرے گی، یا پھر ہم ایک ایسے دور میں داخل ہوں گے جہاں جنگ معمول اور امن استثنا بن جائے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ ظلم اور جبر پر قائم نظام زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتے، لیکن جب وہ گرتے ہیں تو اپنے ساتھ بے شمار معصوم جانیں اور معاشرے لے ڈوبتے ہیں۔ اس لیے آج بھی وقت ہے کہ عالمی برادری ہوش کے ناخن لے، جارحیت کو روکے، سنجیدہ سفارتی مکالمے کا آغاز کرے اور ایک ایسے عالمی نظام کی بنیاد رکھے، جہاں طاقت نہیں، بلکہ اصول فیصلہ کن ہوں۔ بہ صورتِ دیگر، یہ آگ سرحدوں کو نہیں پہچانے گی اور اس کے شعلے پوری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ (مدیر)

''قلب'' سے متعلق ''احوال'' (1)

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں ''قلب'' کے ''مقامات'' بیان کرنے کے بعد ''قلب'' سے متعلق ''احوال'' بیان فرماتے ہیں:

(1۔حالتِ سُکر)

''(قلب کے احوال میں سے ایک) ''سُکر ہے۔اُس کی حقیقت یہ ہے کہ ''نورِ ایمانی'' پہلے انسان کی ''عقل'' میں اور پھر ''قلب'' میں پیدا ہوجائے، یہاں تک کہ دنیا کی دیگر تمام مصلحتیں اُس انسان کے سامنے فوت ہوکر رہ جائیں۔حتیٰ کہ وہ آدمی اُن چیزوں سے محبت کرنے لگے، جن سے وہ طبعی طور پر محبت نہیں کرتا۔گویا کہ وہ ایک نشے کی حالت کے مشابہ بن جائے۔ایسا نشہ، جو اُسے دنیاوی عقل وآداب کے طریقوں سے بدل کر رکھ دے۔جیسا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا کہ:

''مَیں اپنے ربّ کے پاس جانے کے شوق میں موت سے محبت کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کے کفارے کے لیے مرض سے محبت کرتا ہوں۔مَیں اپنے ربّ کے سامنے تواضع کی وجہ سے فقر سے محبت کرتا ہوں''۔(طبقات ابنِ سعد، ج:7،ص:392)

ایسے ہی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ سے منقول ہے کہ وہ طبعی طور پر مال کو ناپسند اور مکروہ سمجھتے تھے۔انھیں مال داری اور دولت کی ثروت سے گندگی کی طرح کراہت اور نفرت تھی۔حال آں کہ انسانی عادات کے مطابق اس طرح کی محبت اور اس طرح کی کراہیت عام طور پر نہیں ہوتی، لیکن ان دونوں حضرات پر (''عقل'' کے مقامات میں سے) ''یقین'' کا مقام غالب تھا، یہاں تک کہ یہ دونوں حضرات عام طور پر انسانوں کی عادات اختیار کیے جانے والے دائرے سے باہر رہتے تھے۔

(2۔مؤمن کے قلب سے پھوٹنے والے داعیے کا غلبہ)

''قلب'' کے ''احوال'' میں سے ایک ''غلبہ'' بھی ہے اور ''غلبہ'' کی دو قسمیں ہیں:

(1) جب نورِ ایمانی مؤمن کے ''قلب'' کے ساتھ اچھی طرح مل جاتا ہے تو اس کے قلب پر ایک جذبے اور داعیے کا غلبہ ہوجاتا ہے، پس اُس نورِ ایمانی اور قلبی جبلت کے اختلاط سے اُس کے دل میں ایک جوش اُبھرتا ہے، پھر وہ داعیہ اور خیال بن جاتا ہے، جس کے تقاضے کو روکنے کی استطاعت اُس میں نہیں رہتی۔

(مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''جب نورِ ایمان مؤمن کے قلب کے ساتھ اچھی طرح مخلوط ہوجاتا ہے تو اُس کے ''قلب'' کی ہنڈیا میں ''قلبی جبلت'' اور ''نورِ ایمان'' کے باہم ملنے سے اُبال کا جوش پیدا ہوتا ہے۔پھر اس جوش پر مبنی جھاگ سے قلب میں ''داعیہ'' اور ''خیال'' کا غلبہ ہوجاتا ہے''۔)

خواہ شریعت کا مقصود اُس داعیے اور جذبے کے موافق ہو یا نہ ہو۔یہ بات اس لیے ہے کہ شریعت بہت سے مقاصد کا احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے۔اس مؤمن کا قلب اُن تمام مقاصد کو احاطہ کیے ہوئے نہیں ہوتا۔پس۔مثلاً۔بسا اوقات قلب، رحمت اور نرمی کے تابع ہوکر رہ جاتا ہے، جب کہ بعض مواقع میں شریعت نے نرمی سے روکا ہوتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''اللہ کے دین میں زانی مرد اور زانی عورت کو سزا دینے میں تمھیں نرمی نہ پکڑ لے'' (24-النور:2)۔اسی طرح بعض اوقات انسان کا ''قلب'' بُغض کے تابع ہوجاتا ہے، حال آں کہ شریعت کا مقصد اُس وقت لطف اور مہربانی اختیار کرنا ہوتا ہے، جیسا کہ کافروں میں سے ذمی لوگوں کے ساتھ بُغض کے بجائے نرمی کرنے کا حکم ہے۔اس غلبے کی مثال وہ ہے، جو درجِ ذیل احادیث میں آیا ہے کہ:

(الف) حضرت ابولبابہ بن منذرؓ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلے پر (یہودیوں کے قبیلے) بنوقریظہ کو اپنے قلعے سے نیچے اُترنے کا فرمایا تو انھوں نے حضرت ابولبابہؓ سے مشورہ مانگا تو اپنے حلق کے کاٹنے کے اشارے سے بتایا کہ: ''حضرت سعدؓ تمھیں ذبح کرنے کا حکم دیں گے''۔پھر بعد میں انھیں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر بڑی ندامت ہوئی اور انھوں نے جان لیا کہ انھوں نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے خیانت کی ہے۔پس وہ وہاں سے سیدھے چلے، حتیٰ کہ انھوں نے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا اور فرمایا کہ: ''مَیں اُس وقت تک یہاں بندھا رہوں گا، جب تک میری اس حرکت پر اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہیں کرتا''۔(دُرِ منثور، تفسیر سورت الانفال، آیت:27-28)

(ب) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ اُن پر اسلام کی حمیت کا غلبہ ہوا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر اُس وقت اعتراض کیا جب آپ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر مشرکین سے صلح نامہ لکھا۔چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ دوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ: کیا نبی اکرم ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ: ہاں! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ: ہاں! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: کیا یہ مکہ والے مشرک نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ: ہاں! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: ہم اپنے دین میں (صلح نامہ کی صورت میں) یہ ذلت کیوں قبول کر رہے ہیں؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ: ''اے عمر! اُن کو مضبوطی سے پکڑے رکھ، مَیں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں''۔اس کے بعد پھر حضرت عمرؓ پر دینِ اسلام کی حمیت کا غلبہ ہوا، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اُن سے بھی وہی باتیں کہیں، جو حضرت ابوبکرؓ سے کہی تھیں اور نبی اکرم ﷺ نے وہی جوابات دیے، جیسا کہ ابوبکر صدیقؓ نے جوابات دیے تھے، حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''مَیں اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں، مَیں اُس کے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ مجھے ضائع کرے گا''۔

(بقیہ: صفحہ 11 پر)

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

فاتح کا مفتوحین کے ساتھ حُسنِ سلوک

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد جب عثمانی افواج شہر میں داخل ہوئیں تو جو بھی مزاحم ہوا، اس کو راستے سے صاف کر دیا گیا۔ قرونِ وسطیٰ کے جنگ کے دستور کے مطابق مفتوحین کی جان و مال فاتح کی مِلک ہوتی اور فاتح کو ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا، جیسا کہ یورپ کی حکومتوں نے اس اختیار کو بے محابا استعمال کیا۔ ظلم و عدوان کے وہ سیاہ و بھیانک باب رقم کیے کہ جن پر انسانیت آج تک شرمندہ ہے۔ اس کے مقابلے میں عثمانی ترکوں نے مفتوحین کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ عفو و درگزر اور نرمی و مہربانی کا سلوک ہے۔ ابتدا میں جو سامنے آیا اور جس نے مزاحمت کی، وہ قتل کر دیا گیا، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ اب عیسائیوں کی مزاحمت دم توڑ گئی ہے تو انھوں نے اپنی تلواریں نیام میں کر لیں۔ برطانوی سفارت کار و مؤرخ لارڈ ایور سلے لکھتا ہے:

''اگرچہ سلطان اور اُس کی فوج نے یونانیوں پر بہت سختی کی، لیکن فتح قسطنطنیہ پر ویسی بدمستیوں کا مظاہرہ نہیں ہوا، جیسا کہ صلیبی جنگجوؤں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد کیا۔ قسطنطنیہ میں داخلے کے بعد ابتدائی چند گھنٹوں کے بعد ایسا کوئی قتلِ عام نہیں ہوا۔ سلطان محمد نے عیسائیوں کے گرجا گھروں کو محفوظ رکھنے میں پوری کوشش کی اور اس میں کامیاب رہا''۔

سلطان نے یکم جون 1453ء کو امنِ عام کا اعلان کیا اور ان تمام عیسائیوں کو— جو قسطنطنیہ سے بھاگ گئے تھے— واپس آنے کی دعوت دی اور ان کے جان و مال کو محفوظ بنانے کی ضمانت دی اور انھیں آمادہ کیا کہ وہ اپنے سابق کاروبار اور پیشوں میں مشغول ہوں۔ ان عبادت گاہوں کی خودسر پرستی کی۔ کلیسا کے مذہبی رہنما اور ان کے عملے کے لوگوں کے تمام ٹیکس معاف کر دیے۔ ان کو ان کے عقیدے کے مطابق مذہبی رسوم ادا کرنے کی آزادی دی اور اس بات کی بھی اجازت دی کہ وہ اپنے مذہبی و قومی معاملات اپنی عدالتوں میں طے کریں۔ مزید یہ کہ یونانیوں کے نکاح و طلاق اور وراثت کے قوانین بدستور بحال رکھے۔ پروفیسر آرنلڈ اپنی مشہور کتاب ''دعوتِ اسلام'' میں سلطان محمد ثانی کی رواداری کے متعلق لکھتے ہیں:

''سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بعد جب شہروں میں امن و امان ہو گیا تو پہلا انتظام یہ کیا کہ یونانی کلیسا کا خودسر پرست بنا، تاکہ عیسائی وحشت زدہ نہ ہوں اور حکومت کی اطاعت قبول کریں۔ حکومتی سطح پر عیسائیوں پر بے جا سختی کی ممانعت کر دی گئی۔ مسیحیوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ عیسوی فقہ اور اُصول کے تمام مسائل سلطنت کی مداخلت کے بغیر ان کی مذہبی مجلس خود طے کرے''۔

غیر جانب دار مؤرخین کو یہ تسلیم ہے کہ سلطان کی یہ رواداری اس عہد کی مسیحی یورپین حکومتوں کی سیاسی اَخلاقیات سے بلند تر تھی۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

نظامِ زر کی تباہ کاریاں

ہزاروں سالوں سے انسانیت نے وسائلِ قدرت کے مؤثر استعمال کو یقینی بنانے کے لیے تبادلۂ اَشیا کے عمل کو سونے اور چاندی جیسی دھاتوں سے سہولت فراہم کیے رکھی، لیکن مرکنٹائل ازم کے زمانے سے قدیمی عہد ناموں کو تدریجاً جدید دور کے کرنسی نوٹوں میں بدل ڈالا گیا۔ سونے اور چاندی کی بنیاد پر تبادلۂ اَشیا کے عمل میں بھی کئی سلطنتیں ملاوٹ کا سہارا لیتی رہتی تھیں، لیکن اسے وسیع پیمانے پر کرنے کا مطلب ایسی تمام حکومتوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوا۔ سونے اور چاندی کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھیں کسی کیمیائی عمل کی بنیاد پر بنایا نہیں جا سکتا۔ اس خصوصیت کا سب سے پہلا اثر ان کی رسد پر پڑتا ہے، جو بہر حال محدود رہتی ہے، یعنی وہاں کوئی مرکزی بینک نہیں، جو اس کی طلب اور رسد کو کنٹرول کرے۔

چناں چہ ایسے میں کسی حکومتی یا کاروباری اِکائی کو زرِ مبادلہ کی ضرورت ہو تو اس کے پاس دو طریقے ہیں: 1۔ ایک پیداواری عمل اور بعد ازاں اس کی تجارت سے 2۔ اور دوسرا قرض سے، لیکن ان دونوں صورتوں میں پہلے سے موجود سونا یا چاندی ہی بروئے کار لائی جائیں گی۔ اور اگر وہ نہیں ہیں، یا کم ہیں، تو اس کے مطابق ہی قرض کی رقم فراہم کی جا سکے گی۔ بہ صورتِ دیگر قرض خواہ، اپنی ضرورت کم کرے گا یا حکمتِ عملی بدلے گا۔ آج کے دور کی طرح نہیں کہ خود نوٹ چھاپ کر حکومت کو یا کاروباری اکائیوں کو مطلوبہ رقوم ادا کر دی جائیں گی۔ جدید دور میں زرِ مبادلہ کی فراہمی کے نظام کی حمایت میں ماہرین یہ کہتے ہیں کہ ہر لحظہ پھیلتی ہوئی معیشتوں اور تجارتی معاہدات کی موجودگی میں محدود رسد والی قیمتی دھاتیں اس نظام کی ضرورت پوری نہیں کر سکتیں، اس لیے ہمیں گولڈ اور گولڈ کے معیار سے باہر نکلنا پڑے گا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج دنیا میں تجارت بھی مفروضوں پر چل رہی ہے۔ چنانچہ دنیا کے کُل کاروبار کا 95 فی صد محض مالیاتی پراڈکٹس Financial Products پر مشتمل ہے۔ اگر آج کا دور سونے اور چاندی کی بنیاد پر تبادلے کا ہوتا تو یہ مالیاتی مصنوعات سرے سے اپنا وجود نہ رکھتیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج اس نظامِ زر کی بدولت عالمی اجارہ داروں نے سب کو غلام بنا رکھا ہے اور اس قبضے کو برقرار رکھنے کے لیے وہ آئے دن جنگوں اور ہنگامی صورت حال کو جنم دیتے رہتے ہیں۔ اور تو اور انھوں نے سونا اور چاندی کو مصنوعات کے درجے پر لا کھڑا کیا تھا ہی، لیکن آج خود سے پیدا کیے ہوئے کرنسی نوٹ کو بھی اس دائرے میں لا چکے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق صرف کرنسی میں آٹھ ہزار ارب ڈالر یومیہ کا کاروبار ہوتا ہے، جو دیگر مالیاتی مصنوعات کا محض ایک سے دو فی صد بنتا ہے۔ اسے دوسرے لفظوں میں 'جوئے کی معیشت' کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں سونے چاندی کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ اور آئے دن سٹاک ایکسچینج نامی عفریت کا کروٹ بدلنا، اس عالمی غلامی کے چکر کا ایک اٹوٹ انگ ہے اور یہی حقیقی غلامی ہے۔

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

سلامتی کے نظام کا فہم وشعور

2/ جنوری 2026ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! انسانیت کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ دین اسلام کے مطابق اپنے معاشروں کا عملی نظام بنائے، اپنی سوسائٹی، اپنی اجتماعیت اور اپنے معاشرے کو دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ڈھالے اور اسی کے مطابق جدوجہد اور کوشش کرے۔ یہ سلامتی کا دین تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مطمحِ نظر رہا ہے اور انسانیت کی کامیابی کا واحد راستہ ہے۔ اسے قیامت تک برقرار رکھنا اور اس کے مطابق انسانیت کو استوار کرنا انسانوں ہی نہیں، بلکہ دیگر مخلوقات کی بقا کے لیے بھی لازم ہے۔

یہ ذمہ داری ایک مسلمان فرد، جماعت، قوم، ملک اور تمام دنیا میں بکھرے ہوئے مسلمانوں کی ہے کہ وہ دینِ اسلام کے اس سلامتی کے نظام کو سمجھے اور اپنی استعداد کے مطابق اسے غالب کرنے اور اسے اپنانے کے لیے علمی اور عملی کردار ادا کرے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: ''اللہ نے اور فرشتوں نے اور علم والوں نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں''۔ (3- آلِ عمران: 18) اسی کے ساتھ فرمایا گیا: ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے''۔ (آلِ عمران: 19) قرآن پاک نے واضح کیا کہ: ''جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اَور دین اختیار کرے گا، وہ اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگا'' (آلِ عمران: 85)۔ اس طرح انسانیت کے لیے مطلوب اور اللہ کے نزدیک مقبول دین' صرف اسلام ہے۔

''اسلام'' کے معنی سلامتی کے نظام کے ہیں، یعنی: ایسی اطاعت جو اللہ کے احکامات اور انسانیت کی خیرخواہی پر مبنی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔ (صحیح بخاری: 10) اس طرح سلامتی کا مفہوم انسانیت کی خیرخواہی اور اجتماعیت کو احکاماتِ الٰہیہ کی اطاعت کے مطابق استوار کرنا ہے۔

دین' ایک ایسا نظامِ فکر و عمل ہے، جو انسانی معاشرے کی تشکیل کے لیے مستقل فکر اور علمی حقائق پر مبنی سوچ پیدا کرتا ہے۔ خداپرستی اور انسان دوستی کی بنیاد پر انسانی معاشرے کی تشکیل، عملی اُمور میں ڈسپلن قائم کرنا اور اطاعت پیدا کرنا اسی نظام کا حصہ ہے۔ اس کے لیے ایک مکمل علمی اور عملی نظام درکار ہے۔

قرآن نے اسلام کے دین ہونے کی بنیاد علم کو قرار دیا اور ایسے اہلِ علم کو اہمیت دی جو عدل و انصاف قائم کرنے والے ہوں۔ ایسے اہلِ علم' انسان اور اس کے تمام تعلقات میں عدل و انصاف اور توازن قائم کرتے ہیں اور اسلام کے نظام کو سمجھ کر انسانیت کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اہلِ کتاب کے بارے میں قرآن حکیم میں بیان کیا گیا کہ: ان کے پاس علم آنے کے باوجود انھوں نے سلامتی کا نظام قائم کرنے کے بجائے بغاوت کا راستہ اختیار کیا، جو کہ مفادات اور سرکشی کا نظام ہے''۔

سوسائٹی کے علمی و عملی حقائق پر مشتمل نظام کا قیام

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''بنیادی طور پر سلامتی کا یہ نظام حضرت آدم علیہ السلام سے چلا اور رسول اللہ ﷺ تک پہنچا۔ ہر نبی نے اسلام کو بہ طورِ دین اور نظام کے' قائم کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ریاستِ مدینہ قائم کی اور دس سال تک حکومتی و قانونی اور مالی اختیارات سلامتی کی اساس پر، انسانیت کی بھلائی، عدل و انصاف، آزادی و حریت، امن و امان اور معاشی خوش حالی کے لیے استعمال کیے۔ یہ نبویؐ حکومت کا ایک مثالی دور تھا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دو سال، حضرت عمر فاروقؓ نے دس گیارہ سال اور حضرت عثمانؓ نے بارہ سال حکومت کی۔ خلفائے راشدینؓ کے یہ تیس سال سلامتی کی اساس پر حکومتی اور مالی اختیارات کے استعمال کا دور تھا۔ اس کے بعد بنواُمیہ کے تقریباً سو سال اور بنوعباس کی چار پانچ سو سال تک دین اسلام کی حکومت رہی اور سلامتی کے اس نظام کے مطابق دین کا تسلسل اور اُس کی ایک تاریخ قائم رہی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''عربوں اور قریشیوں کی حکمرانی پانچ سو سال تک رہے گی، پھر ترکوں کی حکمرانی ہوگی اور ترک اس سلامتی اور اسلام کے نظام کو اگلے پانچ سو سال دنیا میں قائم رکھیں گے''۔ تاریخ میں واضح ہے کہ سلامتی کا یہ نظام نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔ پہلے عربوں نے اور پھر ترکوں نے اسے قائم رکھا۔ اس طرح ہزار برس سے زائد عرصے تک دین کا عالمی نظام قائم رہا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سلامتی کے اس نظام کو نسل در نسل منتقل کیا گیا۔ اسی تناظر میں رسول اللہ ﷺ نے ''تین قرن'' کا ذکر بھی فرمایا۔ (صحیح بخاری: 6658) امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مطابق: قرن ان لوگوں کے زمانے کو کہتے ہیں جو ایک ہی دور میں پیدا ہوتے ہیں اور قریب قریب عمر اور زمانے میں ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کی جماعت کے تناظر میں تقریباً بارہ سال کا زمانہ تھا۔ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام وہ جماعت تھے، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے دعوت دے کر اپنی اجتماعیت میں شریک کیا۔ آپ ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال نبوت کے بعد اپنے زمانے کے لوگوں کو اپنے ساتھ جوڑا اور پھر اس جماعتِ صحابہؓ نے بین الاقوامی حکومت کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے مکہ میں قبل از ہجرت دو سال، مدینہ منورہ میں دس سال (کُل بارہ سال) اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دو سال اور حضرت عمرؓ کے دس سال یعنی: اگلے بارہ سال میں دراصل اسی نظام کا تسلسل چلتا رہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فتنہ پروروں کا مقابلہ کیا، مرتدین کو کیفرِ کردار تک پہنچایا اور ریاست کی رِٹ قائم رکھی اور حضرت عمر فاروقؓ نے قیصر و کسریٰ کو شکست دی۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ کے بارہ سالہ دور میں قرآنی تعلیمات پر عملی نظام بنے۔ اس طرح تقریباً چالیس پچاس سال کا دور ایسا تھا جس میں جماعت ایک پیج پر رہی اور فیصلے اتفاقِ رائے سے ہوئے۔ اس دور کے اثرات اگلی نسلوں تک منتقل ہوئے اور یہی ایک ''قرن'' کہلاتا ہے''۔

اگلی نسلوں کی
تعلیم وتربیت کا نظام

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’مسلمانوں کے 1500 سالہ دورِ حکومت میں بڑی بنیادی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ دینِ اسلام کا جامع نظام قائم رہا اور ہر جنریشن نے اپنی آنے والی نسل کو سلامتی کا نظام سکھایا۔ حدیث، فقہ، تفسیر اور تصوف میں ہر نسل نے اپنی اگلی نسل کی تعلیم وتربیت کر کے انھیں تیار کیا۔ محدثین نے اپنے تربیت یافتہ شاگرد محدث بنائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے تفسیر کے ماہرین تیار کیے۔ حضرت ابن عمرؓ نے تعاملِ اہلِ مدینہ آگے منتقل کیا جو امام مالکؒ تک پہنچا۔ حضرت ابنِ مسعودؓ نے کوفہ میں اپنے تربیت یافتہ اگلی نسل تیار کی: اسود بن یزیدؒ، علقمہ بن قیسؒ، پھر ابراہیم نخعیؒ، پھر حماد بن ابوسلیمانؒ، اور حمادؒ نے آگے امام ابوحنیفہؒ۔ پھر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تک نوجوان تیار کیے گئے۔ ہر نئی جنریشن کو علمی قوتیں بھی دیں، عملی قوتیں بھی فراہم کیں اور اُن میں عملی نظام بنانے کی صلاحیت پیدا کی۔

جیسے علما، فقہا اور محدثین کے ہاں حدیث، فقہ اور شریعت کا یہ تسلسل بیان کیا جاتا ہے، اسی طرح دینِ اسلام کا سیاسی اور ملکی نظم ونسق بھی ہر آنے والی نسل کی تعلیم وتربیت کرتا رہا۔ آج یورپ کے زیرِ اثر مسلمان یہ پروپیگنڈا پھیلاتے ہیں کہ مسلمانوں کو سیاست میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے، حال آں کہ دین کو اگر سیاست سے نکال دیا جائے تو دین میں کیا رہ جاتا ہے؟ صرف علم منتقل کر دینا کافی نہیں، بلکہ اُس علم کے مطابق نظم ونسق کے ساتھ ملکی نظام قائم کرنا بھی ضروری ہے۔

خلفائے راشدینؓ کے بعد بنواُمیہ کے خلفا نے ریاست، سیاست اور مالی انتظام کے وہ اصول جاری رکھے جو حضرت عمر فاروقؓ نے وضع کیے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ، عبدالملک بن مروانؒ اور ان کے بعد آنے والے حکمرانوں نے سیاسی نظم ونسق کو جاری رکھا۔ اسی طرح بنوعباس کے خلفا؛ ابوجعفر منصور، ہارون، مامون اور دیگر حکمرانوں کو سیاست اور انتظامی ڈھانچے کا نظم ونسق سکھایا گیا۔ جب عباسیوں کے 500 سال پورے ہوئے اور چنگیز خان کی یلغار ہوئی تو ترکوں کی نئی نوجوان نسل آگے آئی۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ، نقشبندی مشائخ، محدثین اور علما نے ان پر علم منتقل کیا اور سیاسی شعور پیدا کیا۔ آگے چل کر خلافتِ عثمانیہ کی بنیاد رکھنے والے یہی ترک تھے، جنھوں نے اگلے 500 سال تک حکومت قائم رکھی۔ ہندوستان میں بھی ترک النسل مغل حکمرانوں نے حکمرانی کی۔ بابر سے لے کر بعد کے حکمرانوں تک نے دینِ اسلام کا انتظامی، قانونی اور مالیاتی ڈھانچہ قائم کیا۔ اس طرح ہر نسل نے تسلسل کے ساتھ سلامتی کی اَساس پر اگلی نسل کو سلیقۂ دین سکھایا، جب کہ کالونیل دور میں بغاوت اور لوٹ کھسوٹ کی اَساس پر نظام قائم کیا گیا۔ اولیاء اللہ، صوفیا اور محققین اہلِ علم کی تعلیم میں بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی اگلی جنریشن کے تقاضوں کو سمجھ کر اگلے دور کے مطابق نظام بیان کرتے ہیں اور نوجوان نسل کو سلامتی کے دین کے ساتھ جوڑتے ہیں‘‘۔

سلامتی کا سیاسی نظم ونسق
اور مالیاتی ڈسپلن کا شعوری فہم

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دیکھا کہ آنے والا دور عقل کی بنیاد پر دین کو سمجھنے کا ہے۔ پرانا پیٹرن ختم ہو چکا ہے، اس زمانے میں دین کو عقل ومنطق کی بنیاد پر نہیں سمجھایا جائے گا تو دین کی طرف لوگ راغب نہیں ہوں گے۔ اسی کے مطابق انھوں نے تعلیمات فراہم کیں۔ اسی پر امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے نوجوان اہلِ علم وہنر کی تربیت کی۔ حضرات؛ سیّد احمد شہیدؒ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ، شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کو تیار کیا۔ سیّد احمد شہیدؒ کو حج پر بھیجا، پھر سہارنپور اور یو۔پی کے علاقے میں سفر کرا کر نظم ونسق اور اجتماعیت سکھائی، پھر آزاد قبائل میں بھیج کر حکومت چلانے اور نظم ونسق قائم کرنے کی تربیت کی۔

دہلی کی مسند پر حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کو بٹھا کر علم کی مسند برقرار رکھی، تاکہ عملی طاقت شکست کھا بھی جائے تو نئی تربیت یافتہ نسل موجود ہو۔ اسی نسل نے 1857ء میں کردار ادا کیا۔ نوجوان حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے اپنی آغوش میں لے کر ہدایات اور رہنمائی دی کہ انگریز کے مقابلے میں کردار ادا کرنا سکھایا۔ 1857ء کی ناکامی کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ جیسے اپنے خلفا کے ذریعے آئندہ دور میں نوجوانوں کو آگے بڑھایا۔

اسلام باتوں سے نہیں پھیلتا۔ اسلام کے نام پر جماعت یا جمعیت بنا لینے سے نہیں پھیلتا۔ اسلام سلامتی کا سیاسی نظم ونسق اور معاشی مالیاتی ڈسپلن ہے۔ جو شخص مالیاتی ڈسپلن قائم نہیں کر سکتا اور چندے کا غلط استعمال کرتا ہے وہ مفاد پرست ہے۔ اگر انتظام، جماعتی انداز میں نہ ہو اور ذاتی تکبر اور غرور کی بنیاد پر ہو تو نتیجہ زوال ہوتا ہے۔ مدارس اور خانقاہوں میں اگر نظم ونسق اور مالیاتی معاملات میں ڈسپلن نہ ہو تو یہی اُن کے زوال کا باعث بن جاتے ہیں۔ نئی نسل کے نئے تقاضے ہیں۔ نوجوانوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کے بجائے انھیں سلیقہ سکھانا ضروری ہے۔ رابطوں کا نظام تیزی سے بدل گیا ہے۔ پہلے پرنٹ میڈیا اور ٹی وی تھا، اب ہر آدمی کی جیب میں پنج موبائل ہے۔ اس نئی صورت حال میں اس نسل کو سلامتی کا نظم ونسق اور مالیاتی ڈسپلن سکھانے کی ضرورت ہے۔ آیات اور احادیث کو بغیر مطلب سمجھے شیئر کرنے کے بجائے ان کا سیاق وسباق اور اجتماعی نظام سے تعلق سمجھانا ضروری ہے۔

آج کی نسل اپنے حقوق کو جانتی ہے اور سوشل میڈیا نے دنیا کو گلوبل ویلج بنا دیا ہے۔ اس لیے نوجوانوں میں شعور پیدا کرنا، اُن میں اجتماعیت قائم کرنا اور ان کی صلاحیت کو ملک اور ریاست کے لیے استعمال کرنا ضروری ہے۔ مصنوعی طریقوں سے نوجوانوں کے جذبات نہیں دبائے جا سکتے۔ انبیاؑ، صحابہؓ اور اولیاء اللہؒ کے طریقے کے مطابق نوجوان نسل کو سلامتی کا نظام سمجھانا اور جدید دور کے تقاضوں کے ساتھ جوڑنا ہی عزت، ترقی اور آخرت کی کامیابی کا راستہ ہے‘‘۔

عظمت کی مینار

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا غلام مجدد سرہندیؒ

برعظیم پاک و ہند کی علمی، روحانی اور سیاسی و معاشرتی تاریخ میں سرہندی خاندان کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اسی تناظر میں سندھ دھرتی کی سیاسی تاریخ میں مجددی سلسلے کی ایک اہم شخصیت ایسی بھی ہے، جنھوں نے وقت کے سامراج کے خلاف بھرپور کردار ادا کیا اور ملکی آزادی میں گراں قدر خدمات پیش کیں۔

سندھ دھرتی کے اس عظیم سپوت حضرت مولانا غلام مجدد سرہندیؒ کی پیدائش ۶ رجب المرجب ۱۳۰۰ھ/13 مئی 1883ء بروز پیر، ٹیاری (سندھ) میں مولانا عبدالحلیم جان سرہندیؒ کے ہاں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے ہی میں حاصل کی۔ آپؒ کے اساتذۂ کرام میں مولانا قاضی عبدالرحمٰن متعلوی، مولانا عزیز اللہ خان قندھاریؒ، علامہ سیّد حسن اللہ صدیقیؒ وغیرہ شامل ہیں۔ مطالعے کی عادت اور کتب سے محبت کا یہ عالَم تھا کہ آپؒ نے اپنی ذاتی لائبریری قائم کر لی اور نادر و نایاب کتب کا ذخیرہ کر لیا تھا، جو کہ اس وقت بھی ٹیاری میں استفادۂ عام کے لیے موجود ہے۔ اجازت و خلافت اپنے دادا خواجہ عبدالرحیمؒ سے حاصل کی۔ فروری 1913ء میں والد گرامی کا وصال ہو گیا تو ان کی جانشینی کی ذمہ داری آپؒ کے کندھوں پر آ گئی، جسے آپؒ نے بہ خوبی نبھایا۔

حضرت مولانا غلام مجدد سرہندیؒ سیرت و کردار میں اپنے اَسلاف کا نمونہ تھے۔ موصوفؒ اس بات سے بہ خوبی آگاہ تھے کہ ہندوستان کی سرزمین اس وقت ایسی طاقت (برطانیہ) کے قبضے میں ہے، جو اس دھرتی کو غلام بنائے ہوئے ہے اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ اس دھرتی کو ایسی ناپاک طاقت سے آزاد کروایا جائے۔ اسی بیانیے کے پسِ منظر میں حضرت غلام مجددؒ نے اس دور کی ہر اُس تحریک میں حصہ لیا، جس میں شمولیت سے انگریز سامراج کو تکلیف اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

مولانا سرہندیؒ مزاجاً معاملہ فہم تھے۔ 1913ء میں مسجد کانپور کے مسئلے پر مولانا محمد علی جوہرؒ نے تار دے کر آپؒ کو بلایا۔ آپ وہاں پہنچے اور قضیہ ختم ہونے تک وہاں رہے۔ کانپور واقعے کے بعد جب ''انجمن خدامِ کعبہ'' قائم کی گئی تو اس کے رکن کے طور پر سرگرم رہے۔ سندھ بھر کا دورہ کیا اور اس مقصد کے لیے خطیر رقم جمع کر کے بھجوائی۔ 1919ء میں جب ''جمعیت علمائے ہند'' کی بنیاد رکھی گئی تو اس میں بھی ضلع ٹیاری کی سطح پر کردار ادا کیا۔

''تحریکِ خلافت'' برصغیر کی ایک اہم سیاسی و مذہبی تحریک تھی، جو پہلی جنگِ عظیم کے بعد 1920ء میں اُبھری۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد سلطنتِ عثمانیہ کے تحفظ کے لیے آواز بلند کرنا تھا۔ حضرت مولانا غلام مجدد سرہندیؒ نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے سندھ بھر میں ریل کے ذریعے اسفار کیے اور اس تحریک میں کردار ادا کرنے کے لیے خطابات ارشاد فرمائے۔ اس سلسلے میں آپؒ نے اکتوبر 1920ء میں ٹیاری شہر میں ''خلافت کانفرنس'' منعقد کی۔

''تحریکِ عدمِ تعاون'' میں بھی مولانا غلام مجدد سرہندیؒ نے مثالی کردار ادا کیا۔ آپؒ کی خدمات کے اعتراف میں انگریز سرکار کی جانب سے متعدد مرتبہ ''شمس العلما'' کے خطاب کی پیش کش ہوئی، لیکن آپؒ نے کبھی بھی اُسے قبول نہیں کیا۔ شہداد پور کے قریب ''لنڈو'' نامی ریلوے اسٹیشن کو ''سرہندی آباد'' کا نام دینے کی آفر ہوئی۔ یہ جال بھی آپؒ نے لوٹا دیا۔ مزید یہ کہ جس دور میں گدی نشین انگریزوں کی کاسہ لیسی اور جاگیروں کے حصول میں مصروف تھے، اس دور میں لنڈو اور سداواہ نہر کی اراضی حکومت کو لوٹا دی اور 20 بندوقوں کا ''آل انڈیا لائسنس'' بھی واپس کر دیا۔

7 رجولائی 1921ء کو عید گاہ گراؤنڈ، بندر روڈ، کراچی میں ''آل انڈیا خلافت کانفرنس'' منعقد ہوئی، جس میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا پیر غلام مجدد سرہندیؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا نثار احمد کانپوریؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ اور سوامی جگت گرو شنکر آچاریہ نے شرکت کی۔ اجلاس میں کل 14 قراردادیں پیش کی گئیں، جس کی قرارداد نمبر 6 پر مقدمہ درج کیا گیا۔ یہ قرارداد مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے پیش۔ پیر غلام مجدد سرہندیؒ نے اس کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا، جسے بعد میں فتوے کی شکل دی گئی تھی۔ مولانا مجددؒ کے اس فتوے پر دستخط چھٹے نمبر پر تھے۔

اس قرارداد کی پاداش میں ان سب حضرات پر خالق دینا ہال کراچی میں مقدمہ چلا اور دو برس قید کا حکم سنایا گیا۔ مولانا غلام مجددؒ کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی کے حکم پر 17 ر ستمبر 1921ء کی شب حیدرآباد سے گرفتار کر کے کراچی لایا گیا۔ آپؒ کی والدہ نے اس گرفتاری کے بعد آپؒ کو جو پیغام بھیجا، وہ جرأت کی مثال ہے۔ اس میں تحریر تھا کہ: ''اگر تمھارا عقیدہ سچا ہے تو ہرگز اِن سے معافی نہ مانگنا جو تمھارے عقائد کے مخالف ہیں۔ اور اگر معافی مانگی تو پھر اپنا چہرہ ہمیں نہ دکھانا''۔ مولاناؒ کی والدہ کا کردار بھی مثالی تھا۔ اسی دوران 'بی اماں' (مولانا جوہرؒ کی والدہ) بھی اہلیہ مولانا محمد علی جوہرؒ کے ہمراہ ٹیاری آئیں اور مولانا موصوفؒ کی والدہ سے ملاقات کی۔ جیل کی ایک کھولی میں سیف الدین کچلوؒ اور پیر غلام مجددؒ کی رفاقت تھی۔ مولانا غلام مجددؒ نے دورانِ اسیری قرآن پاک حفظ کیا۔

1939ء کی تحریک مسجد منزل گاہ میں بھی مولانا سرہندیؒ پیش پیش تھے۔ 1947ء میں تقسیمِ ہند کے بعد آبادکاری کے جو مسائل پیدا ہوئے، اس تناظر میں ٹیاری کو مہاجرین کی رہائش کے لیے کھول دیا گیا اور ان کے ہر طرح کے آرام کا خیال رکھا گیا۔ اخلاص کا یہ عالَم تھا کہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی آپؒ نے صفِ اوّل کی قیادت سے دیرینہ تعلقات کے باوجود بھی کوئی عہدہ اور منصب قبول نہیں کیا۔ آپؒ کا وصال ۱۶ ر جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ/7 رجنوری 1958ء میں ہوا۔ تدفین وصیت کے مطابق ٹیاری میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مرقد کو انوارات سے بھر دے۔ (آمین)

(اس مضمون کی تیاری میں مولانا موصوفؒ کے پوتے (اور اُن کے ہم نام) مولانا غلام مجدد سرہندی نے معلومات فراہم کیں، جس کا واسطہ عزیز دوست راؤ ارسلان بنے۔ ان دونوں حضرات کا شکریہ!)

رفتارِ کلم---

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

تقریبِ رونمائی دوعدد کتب؛ رحیمیہ مطبوعات، لاہور

15/مارچ 2026ء/25/رمضان المبارک 1447ھ کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور کے شعبہ ''رحیمیہ مطبوعات'' کے زیرِ اہتمام حال ہی میں شائع ہونے والی امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی دو اہم علمی کتابوں کی پُروقار تقریبِ رونمائی منعقد ہوئی۔ اس علمی نشست میں اہلِ علم و دانش کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی اور علمی و فکری گفتگو کا ایک بامعنی ماحول قائم رہا۔ مطبوعہ کتب کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

(1) ''إزالةُ الشُّبْهَة عن فرضيّة الجُمُعة'' (عربی): برعظیم پاک و ہند میں انگریزی استعمار کی آمد کے بعد یہاں جمعہ کے فرض ہونے سے متعلق مختلف حلقوں میں کافی شکوک و شبہات پیدا کیے گئے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس کتاب میں فقہا کے نصوص سے شرائطِ جمعہ پر مدلل و مفصل بحث کرتے ہوئے بدیسی تسلط کے خلاف عوامی تربیت اور قیامِ اجتماعیت کے تناظر میں اس اہم عبادت کی اہمیت و فرضیت پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ شہری و دیہی علاقوں کے فرق کی وجہ سے ولی اللّٰہی علما کے فتاوی میں جو بہ ظاہر تعارُض تھا، اس کو حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے اس کتاب میں شامل اپنے مقدمے میں نہایت خوب صورتی سے واضح کیا اور ہر ایک کی قرار واقعی حیثیت متعین کر کے تطبیقی پہلو نمایاں کیا ہے۔ حضرت رائے پوری نے اس کتاب کے اکلوتے نسخے کی تحقیق، تمام نصوص کے مآخذ کی نشان دہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ''جمعہ'' کے حوالے سے مکتوب اور حضرت مولانا عبدالکریم کورائی سندھیؒ کا رسالہ بہ طور ''ملحق'' شامل کتاب کیے ہیں۔ حضرت رائے پوری مدظلہ نے اس تقدیم، تحقیق و تعلیق کو ''الجواهر المُقدَّمة في فِقْه الجُمُعة شرح إزالة الشُّبهة عن فرضيّة الجُمُعة'' کا عنوان دیا ہے۔

(2) ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کی سیاسی تحریک'' (اُردو): اس کتاب میں حضرت مولانا سندھیؒ نے ولی اللّٰہی تحریک کے اُصول، اس کے تین ادوار، تسلسل اور ہر زمانے میں اس کے ائمہ یعنی: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے کراد، مولانا عبدالحیٔ دہلویؒ، حضرات شہیدینؒ؛ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی جدوجہد، تحریک کے ترتیبی نظم، دیگر مروّج تحریکوں (یمنی، نجدی، وہابی وغیرہ) سے نمایاں فرق، تحریک میں کوتاہیوں اور انشقاق کی وجوہات، ایسے موضوعات پر مفصل گفتگو کی ہے۔

اس کتاب کی پہلی اشاعت کے بعد مختلف رسائل و جرائد میں اہلِ قلم نے اس پر تبصرے کیے، جب کہ بعض اہلِ علم کی جانب سے اس پر نقد و جرح بھی سامنے آئی۔ مولانا سندھیؒ نے ان تمام آرا اور تنقیدات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کتاب کی اشاعت کے ایک سال بعد ''استدراک و تصحیح'' کے عنوان سے ایک جامع مقالہ تحریر فرمایا۔ یہ مقالہ بھی اِس کتاب کے آخر میں شاملِ اشاعت ہے۔ حضرت مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری نے عمدہ تحقیق و مفید حواشی کے ساتھ اس کتاب کی اصلی ترتیب نمایاں کی ہے، جس سے مولانا سندھیؒ کی تحریر، ان کی درسی تشریحات اور اس کتاب کے مرتبِ اوّل حضرت مولانا نورالحق علویؒ (تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ) کے حواشی کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔

تقریبِ رونمائی کی صدارت حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی نے فرمائی، جب کہ حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن اور حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن نے ان کتب کی علمی و تاریخی اہمیت اور ان کے مطالعاتی پہلوؤں پر نہایت وقیع خطابات ارشاد فرمائے۔

تقریب کے اختتامی مرحلے میں ان دونوں کتب کے شارح و محقق حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے ان کتب پر اپنے تحقیقی کام کے حوالے سے بصیرت افروز تفصیلی گفتگو فرمائی۔ آخر میں حضرت رائے پوری مدظلہ کی دعا سے اس بابرکت علمی نشست کا اختتام ہوا۔

بقیہ: حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہٗ

آپؓ نے بنوحنیفہ کو ذہنی اور عقلی طور پر سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ایسی تاریک چیز (فتنۂ اِرتداد) سے بچیں، جس میں کوئی نور نہیں ہے۔ آپؓ نے لوگوں کو مسیلمہ کے بے معنی کلام اور قرآن کی معنویت پر غور کرنے کی دعوت دی، مگر جب قوم نے بات نہ مانی تو وہ اپنے پیروکاروں کے ہمراہ قبیلے سے کوچ کر گئے اور مرتدین کے خلاف لڑائیوں میں حضرت علاء بن حضرمیؓ کا ساتھ دیا اور بحرین کو مرتدین باغی قوتوں سے پاک کر دیا۔ آخر کار بنوقیس کے مرتدین کے خلاف ایک مہم کے دوران آپؓ نے جامِ شہادت نوش کیا۔

اس پورے واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ دعوتِ حق میں زبردستی کے بجائے محبت، اُنس اور دوسروں کی سماجی حیثیت کا خیال رکھنا بڑے بڑے لوگوں کے دل جیت لیتا ہے۔ نبویؐ طریقۂ کار انسانوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے غور و فکر کا موقع فراہم کرنا ہے، اسی لیے ثمامہؓ نے رہا ہونے کے بعد اسلام قبول کیا تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ انھوں نے موت کے ڈر سے ایسا کیا۔ آپ ﷺ کی حکمتِ عملی نے نہ صرف ایک عظیم سردار کو دین کا داعی بنایا، بلکہ دشمن کے معاشی نظام کو کنٹرول کر کے انہیں سیاسی طور پر بھی زیر کر دیا۔ ثمامہ آخر تک نبی کریم ﷺ کے احسان کو یاد کرتے رہے کہ آپ ﷺ نے بیڑیوں اور تلوار کے سائے سے نکال کر انہیں آزاد کیا اور ہدایت کی روشنی عطا فرمائی۔

بقیہ: ''قلب'' سے متعلق ''احوال'' (1)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ''مَیں اس کے بعد مسلسل روزے رکھتا رہا، صدقہ و خیرات کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ اس وجہ سے کہ جو مَیں نے اُس دن اس غلبے کی وجہ سے حرکت کی تھی۔ مَیں اپنی گفتگو کے خوف سے، جو مَیں نے کی تھی، یہاں تک کہ مجھے اُمید تھی کہ خیر ہوگی''۔ (رواہ البخاری، حدیث: 2731، فتح الباری، ج:5، ص:346)

(ج) حضرت ابوطیبہ جراح رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ جب انھوں نے نبی

اکرم ﷺ کا حجامہ کیا تو اس سے نکلنے والا آپ ﷺ کا خون پی لیا۔ اور خون پینا شریعت میں ممنوع ہے، لیکن انھوں نے غلبۂ حال میں ایسا کیا تو نبی اکرم ﷺ نے اُن کا عذر قبول کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: ''تُو نے جہنم کے آس پاس کی چیزوں کا ارتکاب کیا ہے''۔ (عمدۃ القاری، ج:3، ص:35)

(حجۃ اللہ البالغہ، ابواب الاحسان، باب:4، المقامات والاحوال)

بقیہ:

فاتح کا مفتوحین کے ساتھ حسنِ سلوک

سلطان محمد نے قسطنطنیہ کے باشندوں کو مذہبی آزادی دینے کے بعد اس شہر کو نئے سرے سے آباد کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چناں چہ سلطان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی سے شہر کے وہ لوگ جو ڈر اور خوف کی وجہ سے شہر چھوڑ کر چلے گئے، وہ واپس آ گئے۔ عثمانی سلطنت کے دوسرے علاقوں سے بھی بہت سے یونانی اور یہودی اور ترک خاندان قسطنطنیہ آ کر آباد ہو گئے اور اس طرح سلطان کی حکمتِ عملی اور بہتر منصوبہ بندی سے شہر پھر سے آباد ہوا اور اس کی رونقیں لوٹ آئیں۔ سلطان نے شہر کی ترقی کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ نہروں کی مرمت کی، نکاسیٔ آب کا نظام قائم کیا، بہت سی نئی تعمیرات ہوئیں، جس سے ہر طرح کے دست کار، کاریگر، تاجر، خطاط، مصور اور دوسرے ہنرمند افراد شہر کا رُخ کرنے لگے اور شہر کی رونقیں بحال ہونے لگیں۔ مزید یہ کہ سلطان نے دارالحکومت ''ادرنہ'' سے قسطنطنیہ منتقل کر دیا، جس سے اس شہر کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔

یاد رہے کہ سلطان محمد ثانی سے پہلے اس شہر کو فتح کرنے کے لیے مسلم ادوار میں گیارہ بار اس شہر کا محاصرہ ہوا، لیکن کامیابی کا سہرا جس محمد الفاتح کا مقدر تھا، صحابہ کرامؓ کے مقدس خون نے جس چمن زار اُمید کی آبیاری کی تھی، اس کے پھولوں کا تاج سلطان محمد کے سر پر سجا۔ فتح کے تیسرے روز معروف صحابی – مدینہ میں میزبانِ رسولؐ – حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر کا انکشاف ہوا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اس لشکر میں شامل تھے، جو یزید بن معاویہؓ کی سربراہی میں قسطنطنیہ کے محاصرے کے لیے گیا تھا، بلکہ بہت سے دیگر صحابہؓ جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی اس لشکر میں تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ بہت بوڑھے ہو چکے تھے، مگر جہاد کا شوق شباب پر تھا۔ راستے میں بیمار پڑے تو امیر لشکر یزید بن معاویہؓ عیادت کے لیے حاضر ہوئے تو ان کو وصیت کی کہ: ''میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں جتنا آگے تک لے جا سکو، لے جا کر دفن کرنا''۔ اور یہ بھی وصیت کی کہ: ''نمازِ جنازہ یزید پڑھائیں''۔ چناں چہ وفات کے بعد نمازِ جنازہ یزید نے پڑھائی اور تدفین قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس کی گئی۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:58، طبع: دارالفکر، بیروت) قبر کی دریافت پر سلطان محمد نے وہاں ایک مسجد تعمیر کرائی، جس کا نام ''جامع ایوب'' ہے۔ اور اس وقت سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ ترکوں کا ہر سلطان تخت نشینی کے موقع پر مسجد میں جا کر عثمان اوّل کی تلوار پہلو میں حمائل کرتا تھا۔ گویا یہ تقریب، رسمِ تاج پوشی کے قائم مقام سمجھی جاتی تھی۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال احادیث میں داڑھی بڑھانے کے حکم کی شرعی حد کیا ہے اور کیا ایک مٹھی سے کم داڑھی والے کی امامتِ نماز جائز ہے؟

جواب داڑھی ملتِ ابراہیمیہ کے شعائر میں سے ہے، جس کی کم از کم شرعی حد ایک مٹھی متعین ہے۔ حدیث مبارک اور آثارِ صحابہؓ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی داڑھی کو ایک مٹھی میں پکڑتے اور جو اضافی ہوتی، اس کو کاٹ دیتے۔ جمہور فقہا کے نزدیک ایک مٹھی تک داڑھی بڑھانا واجب ہے۔ اس سے کم کرنا یا منڈوانا شرعی طور پر خلافِ سنت اور ناجائز ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو قصداً امامت کے منصب پر فائز کرنا درست نہیں۔ اگر بہ امرِ مجبوری اجتماعیت کے برقرار رکھنے اور دفعِ فتنہ کی خاطر نماز پڑھنی پڑ جائے تو نماز ہو جائے گی۔ کیوں کہ فاسق فاجر کے پیچھے نماز' مجبوری کے تحت جائز ہو جاتی ہے اور اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

سوال ہمارا موبائل فون کا کاروبار ہے۔ ہماری مارکیٹ میں ایک طریقہ چل رہا ہے کہ موبائل بیچتے وقت ہی گاہک کو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اگر آپ یہ موبائل کچھ عرصہ چلانے کے بعد واپس کریں گے تو آپ سے کچھ رقم کٹوتی کر کے باقی رقم واپس کر دی جائے گی۔ کیا اس طرح کاروبار کرنا شرعاً درست ہے؟ کامران آزاد، شکارپور

جواب بائع اور مشتری کو شریعتِ مطہرہ نے معاملہ بیع کرتے وقت مختلف قسم کے اختیارات استعمال کرنے کی اجازت دی ہے: (الف) ان میں سے ایک ''خیارِ شرط'' بھی ہے، جو حدیث مبارک سے ثابت ہے۔ حضرت حبان بن منقذؓ بعض اوقات خرید و فروخت میں دھوکہ کھا جاتے تھے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے معاملے کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں خریداری کے وقت ''خیارِ شرط'' کی اجازت دی کہ: ''لا خلابۃ'' (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا)۔ اور تین دن تک معاملہ ختم کرنے کا اختیار دیا۔ (ب) ایسے ہی خریدار کی درخواست پر بیع کو پہلی قیمت پر واپس لے کر سودا منسوخ کرنا ''اِقالہ'' کہلاتا ہے۔ دکان دار کے لیے تعاوُنِ باہمی اور حُسنِ معاشرت کے پیشِ نظر بیع کا واپس رکھ لینا اعلیٰ ظرفی ہے، جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی دُعا موجود ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزش معاف کرے''۔ کاروبار میں کوئی ایسی شرط لگانا جس سے بائع یا مشتری میں سے کسی کا نقصان ہو، شرعاً معاملۂ بیع کو ناجائز بنا دیتا ہے۔

''رحیمہ مطبوعات لاہور'' کی جانب سے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تالیف کردہ کتاب ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کی سیاسی تحریک'' چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔
صفحات: 704 (مجلد) عام قیمت: 4000 روپے رعایتی قیمت: 2000 روپے
یہ کتاب رحیمہ بک شاپ لاہور السعید پبلی کیشنز پر دستیاب ہے۔ بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے رابطہ کیجیے: راؤ عتیق الرحمٰن خاں 0332-7203090

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔